حضرت خواجہ غلام فرید

ایک عظیم صوفی شاعر

پروفیسر فاروق فیصل اُردو کے اُستاد ہیں اور محکمۂ تعلیم پنجاب سے وابستہ ہیں۔ فریدیات کے حوالے سے اُن کا یہ مضمون خواجہ فرید کی شاعری کے دلکش رنگوں سے مسحور ہونے والے ایک صاحب دل کی نشاندہی کرتا ہے۔

تصوف صوفیائے کرام کا مذہب ہے۔ جس میں تزکیۂ نفس کا طریقہ اختیار کر کے قلب کی صفائی حاصل کی جاتی ہے اور صوفی اتنا پرہیزگار بھی ہوتا ہے کہ وہ غیر حق کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے۔ تصوف دراصل نام ہے واقعاتِ قلبی اور جذباتِ روحانی کا۔ جس کا محرک ہمیشہ عشق ہوتا ہے اور عشق ایک جذبہ محترم ہے جس کے متعلق حکیم الامت حضرت علامہ اقبال نے فرمایا:

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات!
عشق ہے نورِ حیات، عشق ہے نارِ حیات

مگر اسرار و معارف اور فلسفہ و حکمت کے رموز کو عشق کی گہرائی میں یوں دیکھتے ہیں۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

قابل اجمیری نے عشق کو انسان کی ضرورت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

تم نہ مانو مگر حقیقت ہے
عشق انسان کی ضرورت ہے

اور حضرت خواجہ فرید نے اپنی زندگی کا محور و مرکز عشق ہی کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

عشق ہے ہادی پریم نگر کا
عشق ہے رہبر راہ فقر کا
عشق سے حاصل ہے عرفان
عشق دکھے ہوئے دل کی شادی
عشق ہے رہبر مرشد ہادی
عشق کو ہم نے پیر بنایا

جبکہ مرزا اسد اللہ خان غالب عشق کو زندگی کی لذتوں کا مرکز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

صوفیاء جب خدا کے بارے میں غور کرتے ہیں تو اس کے لیے ''وجود'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خارجی مظاہر کی کثرت کے پردے میں ایک حقیقت واحدہ ہے اور وہی لائق توجہ ہے یہ کائنات خدا کا عکس ہے، کائنات خدا کا خیال ہے۔ جس طرح خیال سے الگ کوئی وجود نہیں ہوتا یہی حساب انسان کا بھی ہے۔صوفیاء نے اسی نظریے کو 'وحدت الوجود'' کہا ہے۔

وحدت الوجود کا نظریہ تو زمانہ قدیم سے دنیا کی مختلف قوموں میں مقبول اور مروج رہا ہے یہ نظریہ تو ظہور اسلام اور نزول قرآن سے قبل ہندوستان، ایران اور یونان میں پھیل چکا تھا۔ مگر مسلمانوں میں وحدت

الوجود کے سب سے بڑے داعی حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی ہیں۔ جن کے متعلق حضرت خواجہ فرید کا عقیدہ ہے۔

''بے شک ہمارا دین اور ایمان ابن العربی کا دستور ہے''

یہ ایک حقیقت ہے کہ صوفیاء نے عمل وکردار سے لوگوں کے سینوں کو حرارت بخشی اور غافل لوگوں کو ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک قرآن اور ایک کعبہ کی طرف بلایا۔ انہیں اخوت ومحبت کا درس عام دیا اور خود شناسی کو خدا شناسی کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ برصغیر پاک و ہند کے بیشتر صوفیاء نے نظریہ وحدت الوجود کی پرجوش ترجمانی کی اور حضرت خواجہ غلام فرید بھی وحدت الوجود یا ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ جس طرح فارسی شاعری کو صوفیانہ افکار سے تقویت ملی اسی طرح برصغیر کے صوفی شعراء نے فارسی شاعری سے خوب استفادہ کیا اور اپنی شاعری میں انسانیت کے اعلیٰ جذبات واقدار کو فروغ دیا۔

حضرت خواجہ غلام فرید کے آباؤ اجداد نے عرب سے ہجرت کر کے سندھ کی سرزمین میں سکونت اختیار کی جہاں انہوں نے خلق خدا کو ہمیشہ فرقہ پرستی مذہبی وقومی تعصبات اور نسلی ومعاشرتی امتیازات سے بالاتر ہوکر دعوت فکر دی۔ مگر اس خاندان کے کچھ بزرگان ملتان کے قریب جاکر آباد ہوئے۔ ملتان میں اس وقت مغلوں کی حکومت تھی۔ کیفی جاپوری نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ خواجہ غلام فرید کے پردادا حضرت مخدوم محمد شریف کی خواہش پر ان کے ایک خاص مرید مٹھن خان بلوچ نے مٹھن کوٹ شہر آباد کیا اور حضرت مخدوم بھی اسی شہر میں آباد ہو گئے یہ شہر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ حضرت مخدوم محمد شریف کو اس خوبصورت

علاقے کی آب وہوا بہت پسند آئی مگر بعد میں سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت خواجہ غلام فرید کے والد ماجد حضرت خواجہ خدا بخش نواب آف بہاولپور کی درخواست پر ریاست بہاولپور کے علاقے چاچڑاں میں مقیم ہو گئے۔

حضرت خواجہ غلام فرید کی ولادت ۱۲۶۱ھ کو چاچڑاں (ریاست بہاولپور) میں ہوئی۔ آپ نسلاً فاروقی تھے اور آپ کا سلسلہ نسب امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب سے جا ملتا ہے۔ جبکہ سلسلہ طریقت چشتی نظامی ہے، جو حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت سید قطب الدین مودود چشتی سے ہوتا ہوا سرچشمہ ولایت وطریقت، مشعل اہل صفا سیدنا حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا تک جا پہنچتا ہے۔ اوراسی طرح آپ کا بلوچستان میں چشتیہ سلسلے کے عظیم رہنما حضرت سید شمس الدین خواجہ محمد ابراہیم یکپاسی چشتی سے حضرت سید قطب الدین مودود چشتی تک سلسلہ طریقت و ولایت بھی ملتا ہے۔ جن کے بارے میں بانی دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ایک مناجات میں رب کائنات کو ان کا واسطہ دے کر یوں دعا کرتے ہیں۔

بحق خواجہ مودود چشتی
کہ سنگ را فیض او سازد بہشتی

حضرت خواجہ غلام فرید نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے برادر بزرگ خواجہ فخر جہان کے دست حق پرست پر بیعت کی اوران سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت خواجہ فخر جہاں اپنے وقت کے ولی کامل، بلند پایہ عالم اور بڑے درویش تھے۔ شریعت محمدی ﷺ کی سختی سے خود پابندی کرتے

تھے ۔ اپنے مریدوں اور ارادتمندوں کو بھی شریعت کی پابندی کی تاکید فرماتے تھے ۔ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور اور روحانی برکات سے مالامال ہوتے تھے ۔ حضرت غلام خواجہ فرید کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ تھا اور ذہن بھی رسا پایا تھا ۔ آپ کے برادر محترم نے آپ کو ظاہری علوم سے مستفید کیا دونوں بھائیوں میں انتہا درجے کی محبت تھی ۔ مگر جو عقیدت حضرت خواجہ غلام فرید کو اپنے برادر سے تھی اس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں والہانہ انداز میں کیا ہے ۔

ابوبکر عمر عثمان کہیں
کہیں اسد اللہ ذیشان آیا
کہیں حسن حسین شہید ہوئے
کہیں مرشد فخر جہان آیا
مرشد فخر جہاں نے کیا ہے یہ ارشاد
عارف ابن العربی میرا ہے استاد

برصغیر میں سرائیکی، سندھی اور پنجابی شاعری میں کافی کی صنف کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ کافی کی صنف پر سب سے بڑا اثر تصوف کا ہوا ۔ تصوف نے کافی کے معیار کو بلند کیا اور اس کو عشق مجازی سے ہٹا کر عشق حقیقی کی راہ دکھائی ۔ سندھی، سرائیکی اور پنجابی کے صوفی شعراء نے کافی کی صنف کو متعارف کرایا اور اس میں عشق محبت، تصوف و معرفت، حمد و نعت اور تہذیب و تمدن کے اثرات کی آمیزش بھی شامل کی ۔ روہ سرائیکی زبان میں ایسے دور افتادہ کوہستانی علاقے کو کہتے ہیں جہاں فطرت اپنی تمام حد بندیوں سے نکل کر تازہ آزاد فضاؤں میں جلوہ فگن ہو اور جہاں

ذرائع آمد و رفت بھی بے حد محدود ہوں ۔ فطری خوبیوں کے یہ تمام خدو خال جب جنوبی پنجاب کے وسیع و عریض ریگستانی علاقے میں نظر آنے لگے تو اسے روہی کا نام دیا گیا ۔ روہی سابق ریاست بہاولپور کے ریگستانی اور صحرائی علاقے چولستان کی سرزمین ہے جہاں بارشیں بڑی دعاؤں کے بعد ہوتی ہیں ۔

اس سرزمین میں ساون کے موسم کو ایک خاص اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ اکثر یہاں ساون کے موسم میں ہی بارشیں ہوتی ہیں تو کوہ سلیمان کے دامن سے لے کر چولستان کی سرزمین تک ایک تازہ لہر دوڑ جاتی ہے ۔ فطرت کا حسن اور نکھر جاتا ہے ۔ اور اس کے مناظر اپنی تمام ہوشربا کیفیتوں کے ساتھ جلوہ فگن ہو جاتے ہیں ۔

ایسا لگتا ہے کہ روہی کے ان تمام مناظر کی رعنائی اور دلکشی کو حضرت خواجہ غلام فرید نے اپنی روح میں جذب کر لیا ہے اور اس کی تہذیب و تمدن کی داستانیں اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں لے گئے ہیں ۔ ان کے کلام میں حافظ شیرازی کا عرفان ، شیخ سعدی کی تعلیم نفس ، شاہ عبد اللطیف بھٹائی کا درس اخوت ، حضرت سلطان باہو کا فقر اور حضرت سچل سرمست کا سوز ہے ۔

ان کے کلام میں عارفانہ بصیرت اور شاعرانہ صنعت کاری نمایاں طور پر نظر آتی ہے ۔ سرائیکی تہذیب و تمدن اور طریقہ تفکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ مگر پنجاب سندھ اور بلوچستان کی سماجی اور ثقافتی جھلکیاں بھی موجود ہیں ۔ ان کے ہاں لسی ، مٹی ، لولی ، پربت ، کیچ ، پتھر ، تھل ، روہی ، شہر ، بھنبھور ، جتی ، جھوک ، دشت ، پٹہ ، پیلو ، چولا ، بوچھن ، فال ، سائیں اور اسی

قبیل کے دوسرے کئی لفظوں میں قوس وقزح کے رنگ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محبوب کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا اس سے ان کے خیالات کی پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے۔ اپنی شاعری میں جن خوبصورت الفاظ کو استعمال کیا ان میں سانول، یار مٹھل، پنل، ڈھولہ ماہی، حضرت یار، سوہناں، دلبر، رانجھن، سجن، جانی، اور محبوب وغیرہ ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فرید کے کلام میں عشقِ رسول ﷺ کی جھلکیاں بھی واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ان کا قلب و ذوق اتباع سنت کے فیض کی وجہ سے علوم شریعت سے بہرہ ور ہوا اور تمام عمر شریعتِ محمدی کے پابند رہے۔ ان اشعار میں اپنی عقیدت و محبت یوں ظاہر کرتے ہیں۔

ہر جا عین ظہور سوہنے یار پنل کا
آپ ہے سلطان جہاں کا
آپ ہے مزدور
ہر جا عین ظہور

حضرت خواجہ غلام فرید کے کلام میں ایک روحانی سرمستی ونشاط ہے ان کا قلب نشاط و امید کے سمندر کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے تصوف کے اسرار و رموز کو انہوں نے واشگاف کیا ہے۔ جس سے ان کی شخصیت ایک صوفی اور ایک عارف کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان کے بغیر تصوف کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے اور نہ ہی سرائیکی شاعری۔ ان کا پورا کلام حکمت و معرفت کی دولت سے مالا مال ہے اور محبت و اخلاص کا درس دیتا ہے۔ وہ اپنے افکار کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں۔

مرت سرندہ ہاتھ میں لے کر پریم کی تار بجاؤں